بشیر احمد ڈار

امن کی بنیاد

نیلا سافیکل کانگریس پشاور کے روحِ رواں قاضی اسلم صاحب کا یہ عالمانہ مقالہ ان کا صدارتی ایڈریس ہے جس کا اُردو ترجمہ ہم پیش کر رہے ہیں۔ اسمیں انہوں نے اس نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائی ہے کہ کشاکشِ عالم کے اس دور میں تنہا اسلام کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے بین الاقوامی کشیدگی دُور کرنے کا جتن کیا ہے۔ اور ایسی حکیمانہ تدبیریں اختیار کی ہیں کہ اگر ان کی اہمیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا جائے تو دنیا فی الحقیقت امن و طمانیت کی دولت سے مالا مال ہو جا سکتی ہے۔ قاضی صاحب کے اس مضمون سے اسلام کے فلسفہ حیات پر خصوصیت سے روشنی پڑتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات کس درجہ معقولیت، توازن اور استواری لئے ہوئے ہے

یہ صحیح ہے کہ امن کا مسئلہ بہت حد تک سیاسی نوعیت رکھتا ہے لیکن موجودہ دور میں سائنس کی ایجادات نے جنگ کی شکل اور اس کے نتائج کو اتنا ہولناک بنا دیا ہے کہ ہر سمجھدار انسان اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ چنانچہ آج کل یہ مسئلہ سیاستدانوں کے محدود حلقے سے نکل کر نفسیات، معاشریات اور فلسفہ کے ماہرین کا بھی موضوع بن چکا ہے۔ ہر علم اپنے اپنے خاص نقطۂ نگاہ سے اس اہم مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کی کوشش میں مصروف ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح دنیا کو جنگ کی تباہیوں سے محفوظ کیا جا سکے۔

امن کا مسئلہ خالص مغربی تمدن کی پیداوار ہے۔ پچھلے ۱۵۰ سالوں میں تقریباً ۳۰ بڑی جنگیں لڑی جا چکی ہیں جو سب کی سب مغربی یورپ کی بین الاقوامی سیاست کا نتیجہ تھیں۔ ابھی دو خوفناک جنگوں کے پریشان کن اثرات لوگوں کے قلب و ذہن سے دُور نہیں ہوئے کہ تیسری جنگ کے خوفناک بادل منڈلاتے ہوئے نظر آ رہے ہیں اور ہر طرف انسانیت اپنی بقا کے لئے کوشاں ہے۔ چنانچہ اس دور میں امن کے قیام کی خاطر چند ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ ان کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ تو مستقبل ہی کر سکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ہم اپنی کوشش جاری رکھیں تو ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں انسان جنگ کے پُر آشوب مصائب سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ مجلسِ اقوام، موجودہ دور میں پہلی اہم کوشش تھی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ اقوامِ متحدہ میں قوموں میں ویسا اتحاد پیدا نہ ہو سکا، جیسا کہ توقع تھی لیکن ان سے کم از کم یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انسان امن کے لئے ذہنی اور روحانی طور پر آمادہ ہے۔ صرف ایک حیثیت میں اقوامِ متحدہ مجلسِ اقوام کے مقابلے پر زیادہ کمزور ثابت ہوئی ہے۔ مجلسِ اقوام میں ہر قوم کو نمائندگی (اگرچہ وہ مساویانہ نہیں کہلا سکتی) حاصل تھی لیکن اقوامِ متحدہ میں دُنیا کے تمام ممالک دو مختلف اور برسرِ پیکار گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں اور یہی تقسیم اس وقت امن کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ امن کے لئے بعض ثبوتی کوششیں بھی جاری ہیں اور انہی پر ہماری اُمیدوں کا دارومدار ہے۔ ان بین الاقوامی اداروں کے علاوہ نجی طور پر مختلف ملکوں میں امن کے قیام کے لئے مختلف کوششیں ہو رہی ہیں۔ ان میں ایسے لوگ اور جماعتیں بھی ہیں جو ہر حالت میں جنگ کے خلاف ہیں اور جن کو اصطلاحی طور پر pacifist کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف برٹرینڈ رسل جیسا عالی

دماغ اور مخلص مفکر بھی ہے جس نے قیامِ امن کی خاطر پچھلے تیس چالیس سال سے مسلسل جہاد شروع کر رکھا ہے۔ اسی طرح بعض مذہبی گروہ بھی ہیں، جو اس مسئلہ کے متعلق چند خصوصی نظریات کے حامل ہیں جن میں اسلام کو نمایاں خصوصیت حاصل ہے۔ بعض غیر مذہبی گروہ بھی اس معاملہ میں پوری دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ امن کے یہ تمام ادارے نہ صرف غیر منظم ہیں بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی رہتے ہیں جس کی وجہ سے قیامِ امن کے لئے کوئی عمدہ پلان تیار نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی نہ کسی طرح یہ تمام ادارے اور مفکّرین مل کر کوئی اقدام کریں تو ممکن ہے کہ امن کے لئے سازگار ماحول تیار ہو سکے۔

آج تک اس سلسلے میں جو کچھ کام ہو چکا ہے اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ زمین اچھی طرح تیار ہو چکی ہے۔ ہر ملک کے عوام میں امن کی خواہش دن بدن بڑھ رہی ہے اور اسی بنا پر سیاست دان اور مفکّرین پہلے سے زیادہ دلچسپی اور انہماک سے اس مسئلہ پر توجّہ دے رہے ہیں۔ اس خیال سے کہ یہ خوفناک بحران شاید مادی ترقی کی بے راہ روی سے پیدا ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے اپنے مذہبی لٹریچر کا بغور مطالعہ شروع کیا ہے تاکہ ممکن ہے کہ کوئی شعاعِ اُمید وہاں سے حاصل ہو سکے۔ بین الاقوامی معاملات میں پہلے سے زیادہ یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی ممکن ہو، خواہ وہ محدود دائرے میں ہی کیوں نہ ہو، امن و سلامتی سے تمام مشکلات کو سلجھایا جائے۔

لیکن اس پُر امید فضا کے باوجود امن کے راستے میں ابھی بہت سی کٹھن منزلیں طے کرنی باقی ہیں۔ مثلاً:

(۱) ابھی تک یہ پوری طرح ذہن نشین نہیں ہو سکا کہ جب تک امن کے لئے عوام کی ارادی قوت نہیں اُبھاری جائے گی امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جتنے پلان اور سکیمیں تیار کی گئی ہیں، ان سب میں یہی فروگذاشت نظر آتی ہے۔ ماہرینِ نفسیات اس چیز سے تو بخوبی واقف معلوم ہوتے ہیں کہ جنگ کا باعث کیا چیز ہے؟ ایک قوم یا نسل میں کون کون سے عناصر ہیں جو اس کو دوسری قوم یا نسل سے لڑنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس طرح انسانی ذہنوں کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یونسکو کا بنیادی تصوّر ہی یہ ہے کہ "چونکہ جنگ کا شعلہ انسانی ذہن میں پیدا ہوتا ہے اس لئے امن کا دماغ بھی انہی اذہان میں تیار ہونا چاہئے"۔ لیکن یہ تمام علم محض ذریعہ ہے مقصد کے حصول کے لئے۔ کیا اس ذریعے کو کبھی استعمال بھی کیا جا سکے گا؟ نفسیات کا ماہر اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ کیونکہ اس پر عمل کرنے کا انحصار ان لوگوں پر ہے جو مختلف ملکوں میں صاحبِ اقتدار ہیں اور جو بقول برٹرینڈ رسل اپنے ذہن اور پالیسی میں متشدّد اور متعصّب واقع ہوئے ہیں۔ یہ ماہرینِ نفسیات اور امن کے حامی مفکّرین (مثلاً برٹرینڈ رسل) اس چیز سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں کہ امن کے لئے عوام میں ارادی قوت کیسے اور کس طرح پیدا کی جا سکتی ہے

(۲) قیامِ امن کی تقریباً سبھی مغربی سکیموں میں ایک قسم کا علاقائی تعصّب کارفرما ہے۔ ان کا مطمحِ نظر صرف مغربی تمدّن کو تباہی سے محفوظ رکھنا ہے، عام انسانیت کی فلاح و بہبود کے تصوّر سے وہ بالکل ناآشنا ہیں۔

(۳) انصاف و عدل کا احساس ابھی تک قوموں میں پوری طرح نمایاں نہیں ہوا۔ اقوامِ متحدہ کے منشور میں تو امن کے لئے عدل کی پوری اہمیت کا احساس موجود ہے۔ لیکن عملاً ہر جھگڑے میں انصاف کی بجائے محض وقتی اور عارضی مصالحت

۱۰۰۶۶۶۷/

ہی سے معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بڑی طاقتوں نے کبھی چھوٹی قوموں کے باہمی جھگڑوں میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور اگر انہیں مجبوراً ان کی طرف توجہ کرنی پڑے تو اپنے مفادات کی روشنی میں وہ عدل وانصاف کے اصولوں کو بالکل بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

(۴) اسی طرح اگرچہ نظری طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں اخلاقی اصول اسی طرح کارفرما ہیں جس طرح کہ انفرادی زندگی میں، لیکن عملاً یہاں بھی وہی کوتاہی نظر آتی ہے۔ اخلاقی قوانین سے بے نیاز ہو کر جیسا کہ برٹرینڈ رسل کی خواہش ہے، امن کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(۵) امن کے ہر منصوبے میں انسان اور کائنات کا ایک بنیادی تصور موجود ہوتا ہے جو اکثر حالات میں واضح طور پر بیان نہیں کیا جاتا، جب تک یہ بنیاد واضح نہ ہو، کسی منصوبے کا تسلیم کیا جانا یا اس کی افادیت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ اس کمی کے باعث لوگ امن کے منصوبوں کو تسلیم تو کر لیتے ہیں۔ لیکن ذہنی طور پر ایک کشمکش اور کٹھن قائم رہتی ہے جس کی وجہ سے نتائج ویسے امید افزا نہیں ہوتے جیسی کہ توقع ہونی چاہئے۔ جب تک یہ بنیادی تصورات مبہم رہیں گے امن کا قیام کبھی ممکن نہیں۔

جنگ اور امن کے متعلق اسلام کا ایک جداگانہ نظریہ ہے جو موجودہ تاریک دور میں اسی طرح قابلِ عمل ہے جس طرح آج سے کچھ صدیاں پہلے۔ لیکن بدقسمتی سے اسی پہلو کے متعلق لوگوں میں اور خاص طور پر مغربی ممالک میں بہت غلط فہمیاں موجود ہیں۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا اخلاق اور مذہب میں "جنگ" کے مضمون کے تحت امن کے مختلف منصوبوں کی بحث کرتے ہوئے مضمون نگار لکھتا ہے۔ "کہ تمام بڑے مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مشرقی طرز جنگ کی ظالمانہ روایت کو قائم رکھا ہے"۔ یہ صرف ایک نمونہ ہے مغربی محققین کی یہ عام عادت ہے کہ وہ اپنے متعصبانہ تصورات کی حمایت میں ہر قسم کے غلط ہتھیار استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کبھی عربی عبارت کا ترجمہ غلط کر دیا۔ کبھی متن میں سے کوئی بے ربط سی عبارت پیش کر دی یا بالکل بے بنیاد حوالہ دے دیا۔ کئی صدیوں سے پیدا کردہ تعصبات اپنا اثر ضرور دکھاتے ہیں۔ اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اب کہیں کہیں اس اثر سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مثلاً حال ہی میں ریڈرز ڈائجسٹ میں کسی شخص نے ایک مضمون لکھا تھا۔ جس کا عنوان Islam the misunderstood religion اس نئے رجحان کا پتہ دیتا ہے۔

چنانچہ کچھ تو ان تعصبات کو رفع کرنے کے لئے اور کچھ اس کی اپنی قدر و افادیت کے لحاظ سے اسلام کے منصوبۂ امن کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پیغمبرِ اسلام کو اپنی تبلیغی زندگی کے ابتدائی دور میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مذہبی آزادی کے حق کی حفاظت کے لئے ایسی شدید مخالفت کی مثال شاید ساری انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اس حقیر اور بے سر و سامان جماعت کو اپنی بقاء اور اپنے اصول کی حفاظت کے لئے یکے بعد دیگرے کئی جنگوں میں شریک ہونا پڑا اور تقریباً ہر بار وہ اپنے سے زیادہ تعداد اور سر و سامان سے لیس فوج کے مقابلہ میں کامیاب رہی۔ لیکن کیا ان جنگوں کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا؟ کیا کسی طرح امن قائم ہو سکتا ہے؟ اس کی ایک راستہ تو یہ تھا کہ خود آنحضرت صلعم اپنے حق یعنی آزادیٔ ضمیر و عبادت سے دستبردار ہو جائیں۔ جس کا کوئی امکان نہ تھا۔ دوسرا

راستہ یہ تھا کہ شاید حملہ آور خود یہ محسوس کرلیں کہ ان کے تمام منصوبے بے فائدہ ثابت ہو رہے ہیں۔ لیکن اس کا بھی کوئی امکان نظر نہ آتا تھا، یا کوئی تیسرا گروہ ایسا پیدا ہو جائے، جو امن کی خاطر ان دونوں متصادم گروہوں میں عارضی طور پر سمجھوتہ کرا دے۔ تاکہ بعد میں کوئی پائدار امن قائم ہو سکے؟ اس کا بھی کوئی امکان نہ تھا۔ نفسیاتی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے اس ابتدائی دور کی حالت بالکل وہی تھی جو آج ہمارے سامنے ہے جبکہ تمام دنیا مختلف متحارب بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ہر بلاک دوسرے کو مغلوب کرنے کی فکر میں ہے پیغمبر اسلام نے ایسے ہی خوفناک حالات میں امن قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس پر عمل کیا اور کامیاب ہوئے۔ حالات کی یکسانیت کے باعث ان کی مثال اور عمل ہمارے لئے آج مشعلِ راہ کا کام دے سکتی ہے۔

اسلام نے قوموں کے درمیان مفاہمت اور سمجھوتے کے لئے نہ صرف عہدنامے تحریر کرنے کا رواج شروع کیا بلکہ ان معاہدات کی پابندی کو ایک مذہبی اور اخلاقی فریضہ قرار دیا۔ اس نے دوسرے ملکوں سے روابط قائم کرنے کے لئے سفیر بھیجنے کا انتظام کیا۔ بین الاقوامی قانون کی بنیاد قائم کی۔ مغربی مؤرخوں کا دعویٰ ہے کہ بین الاقوامی قانون کی تدوین اطالیہ اور ہسپانیہ کے قانون دانوں کی مرہونِ منت ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ تدوین اسلامی تمدن و تہذیب کے زیر اثر کی گئی۔ اسلام کا نقطہ نگاہ شروع سے ہی انسانی تھا اور اس کا خطاب کسی خاص قوم، نسل یا گروہ سے نہیں بلکہ انسانوں سے بحیثیت انسان تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلعم کا خطبہ اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے:

"اے نوعِ انسانی میری بات کو توجہ سے سنو۔ میں نہیں جانتا کہ آیا میں پھر اس وادی میں کھڑے ہو کر تم سے اس طرح مخاطب ہو سکوں گا یا نہیں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال قیامت تک کے لئے ایک دوسرے کے نزدیک محترم ہیں۔ خدا نے ہر ایک کے لئے ورثہ میں حصّہ رکھا ہے۔ اور ایک بچّہ جس گھر میں پیدا ہوگا اس گھر میں رہنے والے باپ کا تصوّر کیا جائے گا۔ یاد رکھو! آدمیوں کے عورتوں پر اور عورتوں کے آدمیوں پر حقوق ہیں۔ یاد رکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ تم سب برابر ہو۔ تمام انسان خواہ کسی قوم، قبیلہ یا نسل سے تعلّق رکھتے ہوں یا ان کے معاشرتی درجوں میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو سب مساوی ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے آنحضرت نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ملائیں اور کہا:

"جیسے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک جیسی ہیں اسی طرح تمام انسان مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی وجہ افتخار یا ترجیح نہیں۔ تم سب بھائی بھائی ہو۔"

اس کے بعد آپ نے حاضرین سے سوال کیا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم کس علاقہ میں ہیں؟ اور آج کونسا دن ہے؟" لوگوں نے جواب دیا کہ یہ مقدس مہینہ، مقدس سرزمین اور حج کا دن ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا:

"جس طرح آج کا مہینہ محترم ہے، یہ سرزمین مقدّس اور یہ دن پاک ہے، اسی طرح خدا نے ہر انسان کی جان، مال اور آبرو کو مقدس قرار دیا ہے۔ کسی کی جان، مال اور آبرو پر دست درازی کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح اس مہینہ، اس سرزمین اور اس دن کی حرمت کو خراب کرنا، جو میں آج تم کو ہدایت کر رہا ہوں وہ صرف آج ہی کے دن کے لئے نہیں، وہ ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل اور واجب

ہے تم اسے یاد رکھو اور موت کے دن تک اس پر عمل کرو۔"

دنیا کے اس غیر معروف کونے میں جس کو لوگ صحرائے عرب کہتے ہیں اس عظیم الشان شخصیت نے انسانی مسائل کو خالص انسانی نقطہ نگاہ سے دیکھا، اور اسی روشنی میں پیش کیا۔ بدی اور ناانصافی، ظلم و وحشت کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کا طریقۂ کار محض سلبی و تعمیر ثبوتی تھا، احتجاجی نہ تھا بلکہ عقلیت، انصاف اور جرأت مندانہ عملیت پر مبنی تھا۔ نبوت کی زندگی سے پہلے آپ ایک دفعہ ایک جماعت میں شریک ہوتے تھے جس کا نام حلف الفضول تھا۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ مظلوموں کی مدد کی جائے۔ خواہ وہ کسی قبیلہ یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ رفتہ رفتہ ناخوشگوار حالات اور بے شمار مشکلات کا سامنا کرنے سے عاجز ہو کر دوسروں نے اس انجمن سے قطع تعلق کر لیا اور اپنے عہد و پیمان کو فراموش کر دیا۔ لیکن آں حضرت نے اپنے حلف کو ہمیشہ یاد رکھا۔ جب آپ نے ایک خدا اور ایک انسانیت کا نعرہ بلند کیا، اور مخالفت اور دشمنی کا ایک طوفان پیدا ہوا تو مخالفین نے آنحضرتؐ کو پریشان و ذلیل کرنے کے لئے ایک تجویز سوچی۔ ابوجہل نے ایک مفلوک الحال آدمی کا کچھ قرضہ دینا تھا اور وہ ٹالے جا رہا تھا۔ قرار پایا کہ اس آدمی کو آپ کے پاس بھیجا جائے اور وہ آپ کو اس قدیم عہد و پیمان کا واسطہ دلا کر آپ سے مدد طلب کرے۔ سب کا خیال تھا کہ آپ مخالفتوں کے طوفان کے ڈر سے کوئی عملی اقدام نہیں کر سکیں گے اور دشمنوں کو آپ کا مذاق اڑانے کا موقع ملیگا۔ لیکن اگر خلاف توقع انہوں نے یہ جرأت کر بھی لی تو پھر ابوجہل کے سامنے آتے ہی آپ کی درخواست ردّ کر دی جائے گی اور ساتھ ہی کچھ جلی کٹی بھی سنائی جائیں گی۔ ہر حالت میں دشمنوں کے لئے آپ کو تنگ اور پریشان کرنے کا کافی موقع ہوگا۔ جب آپ نے اس آدمی سے واقعہ سنا تو بلا کم و کاست آپ ابوجہل کے گھر پہنچے اور دستک دی۔ ابوجہل باہر نکلا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے اس آدمی کا قرضہ دینا ہے! اس نے اقرار کیا تو آپ نے کہا کہ بہتر ہے کہ یہ قرضہ بھی چکا دیا جائے۔ ابوجہل اندر گیا اور وہ رقم اس آدمی کو دیدی۔ اس واقعہ سے یہ قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ امن بغیر انصاف کے قائم نہیں ہو سکتا اور حالات کیسے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں انصاف بہر حال انصاف ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہئے، خواہ اس سے وقتی طور پر پریشانی اور تکلیف محسوس ہو۔ آپ کا فرمان ہے کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور اپنے ظالم اور مظلوم بھائیوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ مظلوم کی مدد کرنا تو صحیح ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ظلم کرنے سے روک کر اس کی مدد کرو۔

قرآن مجید کی مختلف آیات کی روشنی میں اسلامی فلسفۂ جنگ و امن کی تشریح ان مطالب کی توضیح کے لئے کافی ہے۔

قرآن مجید میں کہیں جارحانہ حملہ کا حکم نہیں۔ سورۂ حج میں سب سے پہلی بار قتال فی سبیل اللہ کی اجازت دی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ وجہ بھی بیان کر دی گئی جس کی بناء پر یہ اجازت دی گئی تھی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم

اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دئے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ "ہمارا رب اللہ ہے"۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ

بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا ؕ (۲۲: ۴۰-۴۲)

کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور (یہودیوں کے) معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جاتیں

یعنی جنگ کی اجازت اس لئے دی گئی کہ آزادیٔ ضمیر و عبادت پوری طرح مستحکم ہو جائے اور ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے عقیدے کے مطابق خدا کا نام لے سکیں۔

اس کے بعد سورۂ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کیجئے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ ... فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ ؕ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ ۔ (۲: ۱۹۱-۴)

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے، اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے، اس لئے کہ قتل اگرچہ بُرا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

اس میں چند چیزیں قابلِ غور ہیں:

(۱) لڑائی صرف اللہ کے لئے ہو۔ خود غرضی، ملک گیری وغیرہ کے لئے نہ ہو۔

(۲) اس میں کسی قسم کی زیادتی یا حدود اللہ سے انحراف نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) لڑائی صرف اسی وقت تک جاری رہنی چاہئے جب تک دشمن اسے جاری رکھنا چاہے، اور جب دین صرف اللہ کے ہو جائے یعنی ہر فرد کو اپنے ضمیر کی پیروی کی آزادی حاصل ہو جائے تو جنگ ختم ہو جانی چاہئے۔

اگر جنگ کے دوران میں دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بھی جنگ سے ہاتھ اٹھالیں خواہ اس میں دھوکا کا امکان ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ ان کے لئے اللہ پر بھروسہ رکھنا کافی ہے۔ (۸: ۶۲-۳) اسی طرح سورۂ توبہ کی پہلی آیات میں معاہدوں کی پابندی پر کافی توجہ دلائی گئی ہے اور اسی جگہ یہ بھی یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اگر دشمن کے آدمی اسلام کا نقطۂ نگاہ سمجھنا چاہیں تو ان کو اس بات کا پورا موقع دیا جانا چاہئے (۹: ۱-۱۲) جنگ میں قیدیوں کو غلام بنانے کی بالکل اجازت نہیں۔ انہیں فدیہ لے کر یا محض مہربانی سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔ (۲: ۶۸، ۴۷: ۵/۲۳: ۴۳) اسی طرح جنگ کے متعلق بار بار حدود اللہ کو

قائم رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جنگ کے اسباب یعنی دوسری قوموں کے مال ومتاع پر نظر رکھنا، اپنے تمدن پر فخر و غرور یا صحیح مقصد کی جنگ میں حدود اللہ کو توڑنے کی کوشش سبھی کی پُرزور مذمت کی گئی ہے۔ (۲۰ : ۱۳۲، ۴۹ : ۱۲)

ایک جگہ قرآن میں امن قائم رکھنے کے لئے پوری تفصیل سے طریقہ بتادیا گیا۔ اگر اقوامِ متحدہ اس اصول کو مدِنظر رکھے تو دنیا کی بہت سی مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔ مذکور ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۴۹ : ۱۰)

اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو تو آپس میں صلح کرادو۔ اگر ان میں سے کوئی سرکشی کرے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ اگر وہ واپس آجائیں تو ان کے درمیان عدل اور انصاف سے صلح کرادو۔ یقیناً خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یہاں جنگ کے آغاز سے لے کر امن قائم ہونے تک تمام عمل کو ایک بین الاقوامی عہدنامہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ آخری منزل کی ہدایات خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ جنگ اصل مقصد تک محدود رکھنی چاہئے اور پہل کرنے والوں کے ساتھ بھی انصاف کرنا ناگزیر ہے کیونکہ کوئی ایسا امن جو ظلم کی بنیاد پر قائم ہوگا وہ ایک دوسری جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اس اصول کی بہترین مثال آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے وقت پیش کی جب آپ نے اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کردیا۔ آپ نے بڑے کٹھن حالات میں امن قائم کیا اور عدل و بخشش سے اسے قائم رکھا۔

ان تمام واقعات سے ہمیں موجودہ دور کی مصیبتوں کے لئے صرف ایک ہی لائحہ عمل نظر آتا ہے کہ جب تک انسان اپنی اخلاقی اور روحانی فطرت کو بروئے کار نہیں لائیں گے، تب تک دنیا میں امن کا قائم کرنا بالکل ناممکن ہے۔ سیاسی ریشہ دوانیوں سے یا ایک دوسرے کی طاقت کے ڈر سے ممکن ہے کہ لڑائی کا خطرہ ٹل جائے یا وقتی طور پر تخفیف اسلحہ کا منصوبہ طے پا جائے۔ لیکن عدل و انصاف اور انسانیت کے صحیح عملی احترام کے بغیر پائدار امن قائم ہونا بالکل ناممکن ہے۔ اور یہ تب ہی حاصل ہوسکتا ہے اگر انسان کو زندگی اور کائنات کا بامقصد ہونے پر یقین ہوجائے۔ جب تک ہم اس مادیت کے چکّر میں پھنسے رہیں گے اور صحیح روحانی اقدار سے منحرف رہیں گے۔ تب تک اس دنیا میں امن اور چین کی زندگی ناممکن الحصول ہے۔

بعض معاشرتی فلسفیوں نے انسانی فطرت کا نقشہ بہت بھیانک کھینچا ہے۔ ان کے نزدیک انسان فطرتاً علیحدگی پسند، ظالم اور وحشی ہے۔ ایسے مسالک فلسفیانہ کا نتیجہ قنوطیت ہے جس سے ہماری مدافعانہ قوت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں اگر امن قائم ہے تو اس کی بنیاد صرف خوف پر ہوتی ہے۔ اگر ایک ملک یا ایک بلاک کو معلوم ہوجائے کہ وہ دوسرے کے مقابلے پر طاقتور ہے تو دنیا کو جنگ میں دھکیلنے سے اُسے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔ ایسا امن جس کی بنیاد محض خوف پر ہو بالکل بے معنی اور لغو ہے۔

وہ فلسفۂ حیات جس کے نزدیک انسانی زندگی اور کائنات بلا مقصد ہیں، جس کے خیال میں تمام انسانی زندگی کا بنیادی

محرک سوائے خود غرضی کے کچھ نہیں، جس کے نزدیک اخلاقی اقدار محض اضافی ہیں اور جن میں کوئی مطلق حقیقت نہیں بلکہ محض مختلف جذبات کا اظہار ہیں، ایسے فلسفۂ حیات کا لازمی نتیجہ قنوطیت ہوتا ہے اور قنوطی فلسفۂ حیات کی بنیاد پر کوئی پائدار امن نہیں قائم ہوسکتا۔ اس کے برعکس اُس فلسفۂ حیات کے حامی جن کے نزدیک یہ کائنات اور انسان بامعنی ہیں اور جن کی تخلیق ایک واضح مقصد کے تحت ہوئی ہے جس کے حصول میں سبھی مشغول ہیں، وہی صحیح معنوں میں روحانی بنیاد پر اس دنیا کے مسائل پائدار طریقے سے حل کرنے کے اہل ہیں۔

برٹرینڈ رسل کا خیال ہے کہ مذہبی اعتقاد ایک بے کار چیز ہے۔ کیونکہ ایسا اعتقاد اس کے خیال میں کسی عقلی شہادت پر مبنی نہیں ہوتا۔ یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ ایسا اعتقاد جو کسی عقلی شہادت یا تجربہ پر مبنی نہ ہو انسان کی صحیح راہنمائی نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر مذہبی اعتقاد کی بنا عقل اور تجربہ پر ہو — خواہ وہ تجربہ بالکل ذاتی ہو اور اس کو ہم دوسروں تک منتقل نہ کرسکتے ہوں۔ اور اگر اسے دوسروں کے سامنے بیان کیا جائے تو دوسرے لوگ اس سے مطمئن نہ ہوں۔ تب بھی ایسا اعتقاد اس شخص کے لئے قابلِ اعتماد اور عمل ہے لیکن درحقیقت امن کے مسئلہ میں یہ سوال اُٹھانا ہی بے کار ہے۔ کیونکہ امن بغیر باہمی تعاون و اشتراک کے ممکن نہیں۔ اگر برٹرینڈ رسل کے نزدیک مذہبی اعتقاد کسی عقل یا تجرباتی شہادت پر مبنی نہیں تو نہ سہی، اگر کوئی مذہبی گروہ یا جماعت امن کے اعلیٰ مقاصد کے لئے تعاون کا ہاتھ بڑھائے تو اس کے ساتھ اشتراک ناگزیر ہوجاتا ہے۔ جب تک ان خطوط پر کوئی بین الاقوامی ادارہ قائم نہ ہوگا جو دُنیا کے تمام انسانوں اور ملکوں کے تعاون سے امن کے لئے پُرجوش اقدام کرے تب تک انسانیت کی آئندہ ترقی و بہبودی کا کوئی امکان نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے ادارے کی کامیابی کے لئے کافی سرمایہ، کافی تحقیقات اور مفکرین کی ہمہ وقت خدمت کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن اس کے بغیر کوئی اور نجات کا راستہ بھی نہیں۔

اسی طرح ہماری یونیورسٹیوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ نوجوانوں میں ایک ایسا ذہن پیدا کریں جس سے وہ آئندہ انسانیت کے تحفظ اور احترام کے لئے اپنے دل میں ایک بے پناہ جذبہ اور اس کے حصول کے لئے قوت عمل کا مظاہرہ کرسکیں۔ ہمیں تاامید ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ انسانی فطرت میں جہاں بدی کی طرف راغب ہونے اور عدل و انصاف سے منحرف ہونے کے لئے بے شمار مواقع موجود ہیں، وہیں نیکی، اخلاق اور خیر کے راستے پر گامزن ہونے کے لئے اس میں بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں، بشرطیکہ ان کے اظہار کے لئے سازگار ماحول پیدا کیا جاسکے اور اسی سازگار ماحول کا پیدا کرنا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(تلخیص و ترجمہ)